نصیر گولڑویؒ کی غزل میں داغ دہلوی کا رنگ

ڈاکٹر محمد شاہ کھگہ*
Dr. Muhammad Shah Khagha

Abstract:
"The temperament / nature of Pir Naseer-ud-Din Naseer Golarvi's urdu ghazal is like that of the classics of the language. His Urdu poetry is mostly imbued with the poetry of Ustad Dagh Dehlvi and, despite the fact that he is a poet of Persian, his Urdu poetry is fluent and easy to understand. His poetry contains the shades of both the Dehly as well as Lachnou schools of thought. We also find mystic tinge in his poetry."

ناقدین و محققین ادب کے نزدیک غزل کے معنی عورتوں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے۔ غزل اس ہرن کی دردناک آواز کو بھی کہتے ہیں جس کو کتوں نے آگھیرا ہو، وہ اس لیے دردناک آواز نکالتا ہے کہ کتوں کے دل میں رقت پیدا ہو اور وہ رحم کھا کر اس کا تعاقب چھوڑ دیں، غزل دردمند عاشق کی فریاد ہوتی ہے جس سے محبوب کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ غزل ایک کیفیت کا بیان ہوتا ہے اس لیے یہ روایت بھی قائم ہوئی کہ اس کے لیے الفاظ بھی نرم و نازک لائے جاتے ہیں اور اوزان بھی گوارا و خوش آہنگ ہونے چاہییں۔ میرے خیال میں غزل کیفیات اور احساسات کا نام ہے نہ کہ عورتوں سے باتیں کرنا۔ فارسی غزل میں محبوب مذکر ہوتا ہے اور عموماً مرشد کامل کو مخاطب کیا جاتا ہے اور اس کی محبت میں عاشق تڑپتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حسن پرستی اور حسن و عشق انسان کا بنیادی جذبہ ہے۔ انسان کا اس جذبے کے اَن گنت پہلوؤں سے متاثر ہونا لازمی ہے۔ حسن و عشق کا یہ جذبہ محدود نہیں ہے، اس میں بڑی وسعتیں ہیں۔ حُسن صرف انسانی حسن ہی تک محدود نہیں ہے فطرت کا حسن بھی انسان کے دل کو لبھاتا ہے اور انسانی حسن بھی اس کے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پہاڑوں کی بلندی اور شان و شکوہ دریاوں کی روانی، سمندروں کی پُرشور موسیقی، خنک ہواؤں کا خرام دل نواز، ستاروں کی سحر آفرینی، چاندنی کا گل ریز تبسم، شفق کی سحر کاریاں، بہاروں کی رنگینیاں، گل ہائے رنگا رنگ کی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

رعنائیاں، سبز ازاروں کی سرمستیاں، میدانوں کی فسوں سامانیاں اور پھر انسانی اور خصوصاً حسنِ نسوانی کا کیف و سرور، اس کے رنگ روپ کا رچاؤ، خرام ناز کی نغمگی، عشوہ وادا کی سحر کاری، جسم کے ایک ایک عضو کی قیامت آفرینی اور ان سب کے جلو میں پرورش پانے والی محبت اور عشق اور پھر اس کی مختلف منزلیں، اُن سب کو انسان کسی حال میں چھوڑ نہیں سکتا۔

پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی گولڑویؒ، پیر سید خواجہ مہر علی شاہ گولڑویؒ کے پوتے تھے۔ آپ فارسی اور اردو زبان کے بڑے پختہ اور بلا کے شاعر تھے، اردو ادب نے چونکہ فارسی روایات کی آغوش میں آنکھ کھولی اس لیے فارسی شعراء کی اردو زبان پر کامل دسترس ہوتی ہے اردو شاعری میں فارسی تراکیب اور مرکبات کے استعمال سے زیادہ حسن پیدا ہوتا ہے۔ پیر سید نصیر الدین اگرچہ پنجابی ماحول میں پلے بڑھے ہیں اور ایک پنجابی باپ کے بیٹے تھے، لیکن ان کی اردو شاعری میں دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنو کا رنگ ملتا ہے، پیر سید نصیر الدین نصیر اردو زبان کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> ”اردو زبان سے میرے قلبی ربط اور موانست کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دس گیارہ برس کی عمر ہی میں مجھے شعرائے اردو کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد تھے جنہیں میں دورانِ گفتگو مخاطب کے ذوق و دانش کو دیکھتے ہوئے بر محل استعمال کیا کرتا تھا۔ حضرت بیدل دہلوی نے ذوق و شوق کو خالصتاً موہبت الٰہی قرار دیتے ہوئے کیا قرینِ حقیقت بات کہی ہے:
>
> رمز آشنائے معنی ہر خیرہ سر نباشد
> طبع سلیم فضل است ارثِ پدر نباشد

یعنی طبعِ سلیم محض فضلِ خداوندی ہے یہ باپ دادا کی میراث نہیں ہے جسے باہم تقسیم کیا جاسکے۔ پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانیؒ جس ماحول میں پلے بڑھے، وہ ماحول روحانی، دینی اور ادبی تھا۔ قبلہ پیر سید غلام محی الدین گیلانی معروف بہ بابو جیؒ جو کہ آپ کے دادا تھے۔ انہوں نے آپ کی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بڑے بڑے علماء، فقہا اور قراء سے تحصیلِ علم کی منازل طے کیں، پیر سید نصیر الدین نصیرؒ طبعِ سلیم اور فکرِ عظیم لے کر آئے تھے۔ وہ خود ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ”مجھے ذوق علم وادب ورثے میں ملا۔ پر دادا حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ، جدِ امجد سید غلام محی الدین المعروف بابو جیؒ اور والدِ ماجد قبلہ سید غلام معین الدین صاحبؒ

المتخلص مشتاق کا شعر و سخن سے لگاؤ باخبر احباب کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اس موروثی فیض کی علاوہ بھی یہ سمجھتا ہوں کہ بزرگانِ امت اور اساتذہ سخن مولانا رومیؒ ، مولانا جامیؒ، خواجہ حافظ شیرازی، حضرت سعدی شیرازی، طوطیِ ہند امیر خسروؒ اور مرزا عبدالقادر بیدل ایسے نابغۂ روزگار نفوس کے کلام میں میرے توسنِ فکر کے لیے مہمیز کا کام کیا۔ اگرچہ ان اکابر امت کے علوِ فکر اور عفتِ خیال کا جہان ہی کچھ اور ہے تاہم بحمداللہ قدرت نے مجھے اس حجازی خم خانہ کے پاک نگاہِ بادہ نوشوں کی خمار نواز آنکھوں سے کیف و مستی کی خیرات عطا کی ہے۔"(۳)

کون ہے میرے سوا صاحبِ تقدیر ایسا
مل گیا میرے مقدر سے مجھے پیر ایسا
کیوں نہ نازش ہو مجھے اپنے مقدر پہ بھلا
پیر ایسا ہے میرے پیر کا پیر ایسا(۴)

اردو غزل کو جو دہلی اور لکھنو کے شعراء نے ہجر و فراق دردِ دل اور شوخی و شرارت جیسے مضامین دیے ہیں۔ ان کی مثال نہیں ملتی، عورتوں کے سراپا، زیورات، ملبوسات، چال ڈھال، اداؤں اور گھاتوں سے متعلق مضامین عام کر دیے تھے، وہ عناصر اور وہ مضامین دہلوی شعراء کے ہاں لکھنوی شعراء کے مقابلے میں کم رہے، البتہ مضمون آفرینی و خیال بندی، تمثیل نگاری، سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی اور رعایتِ لفظی و لسانی صنعت کاری کی طرف دہلوی شعراء کی توجہ لکھنوء سے کمتر نہیں رہی۔ پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانیؒ کی غزلیات میں اساتذہ سخن کی روایتی علامات جام و سبو، پیمانہ و مے خانہ، اور رند و ساقی موجود ہیں۔ زاہد، وعظ اور سبحۂ و زناز کا ذکر بھی ملتا ہے یہ سب باتیں غزل کی شکوہ طرازی اور شوخی و شرارت غزل کی جان ہیں اگر ان سے صرفِ نظر کیا جائے تو غزل حدیثِ دلبراں نہیں رہتی:

کسی پر اب شباب آنے کے دن ہیں
لجا کر دل کو تڑپانے کے دن ہیں
ابھی مجھ سے نہیں وہ بے تکلف
ابھی کچھ اور شرمانے کے دن ہیں
جواں تم ہو، جواں ہم ہیں، جواں دل

تڑپنے اور تڑپانے کے دن ہیں
حیاء و حسن ہیں شانہ بہ شانہ
کسی کی زلف سلجھانے کے دن ہیں(۵)

یہ رنگ بھی دیکھیے:

مست آنکھوں سے کیوں نہیں پیتے
بادہ خانے تلاش کرتے ہو
صاف کہہ دو اگر نہیں ملنا
کیوں بہانے تلاش کرتے ہو
سب نئے رنگ ڈھونڈتے ہیں نصیرؔ
تم پرانے تلاش کرتے ہو(۶)

الغرض غزل کہتے ہوئے ان باتوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پیر سید نصیر الدین نصیر کی غزل میں اساتذۂ قدیم کا رنگ نمایاں ہے۔ پیر سید نصیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"اساتذہ اردو میر تقی میر، انیس لکھنوی، مصحفی، خواجہ آتش، حضرت امیر مینائی، استاد ذوق، غالب اور داغ دہلوی نے الفاظ و علامات کو آتشِ دل سے گزار کر پُر تاثیر بنایا اور انہیں معنویت سے لبریز کر دیا۔ اب ان اساتذہ نے اردو زبان کو جو ورثہ عطا کیا ہے۔ اُسے نظر انداز کر کے کوئی شخص ارباب شعر و سخن کے صف میں شامل نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ ورثہ بھی تو آناً فاناً قبضے میں نہیں آجاتا۔ بلکہ اس کے لیے لگاتار محنت اور مسلسل مطالعہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔"(۷)

استاد داغ نے اسی لیے کہا تھا:

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے (۸)

بحمد اللہ میں نے انہی اساتذہ سے اردو زبان سیکھی ہے اور ان کا سپاس گزار ہوں۔ اسی باعث میرے اسلوبِ سخن میں ان اساتذہ متقدمین کے واضح اثرات موجود ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ جو اسلوب ان اثرات سے عاری ہے۔ وہ میرے نزدیک بے معنی اور بے حقیقت ہے

پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی گولڑویؒ چونکہ غزل کی کلاسیکی روایتوں میں پلے ہوئے شاعر تھے۔ لہذا اُن کی غزل سخن کی روایات کی پابند ہے۔ یہ روایت کیا تھی۔ ہماری مغرب زدہ سرسری تنقید تو اسے محض قصۂ گل و بلبل اور افسانہ ہجر و وصال کہہ کر ٹال دی جاتی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ یہ روایت ایک حیادار اور وضع دار تہذیب کی ترجمان تھی۔ جس میں ایک نظر دزدیدہ دلوں کے ہزاروں افسانے رقم کر سکتی تھی۔ اردو ادب کے نقاد اور معروف محقق ڈاکٹر سید عبداللہ، پیر نصیر الدین نصیر گولڑوی کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "الحمدللہ! کہ اس دورِ بے زبانی و کج مج بیانی میں شاہ نصیر الدین گولڑوی جیسے لوگ بھی جو تلمیذ ربانی ہونے کے باوجود اساتذہ کبار کے کلام کے بحرِ موّاج میں غوطہ زن ہوے۔ ان سے بیان کا لطف اور لب و لہجہ سیکھا اور پھر اس میں فطرت کے گل و گلستان روشن کیے۔ شاہ نصیر نے آج کل مروجہ مضامین و مطالب کو نہیں چھیڑا ،انسان دوستی، عدم مساوات، استعمار و استحصال کے جھگڑوں میں وہ نہیں پڑے۔ البتہ دانش کے نکتے بکثرت ہیں۔ جن میں زندگی کی حقیقتیں اور قلبِ انسانی کی لطافتوں کو بہ اندازِ خوش پیش کیا۔ زبان کی شرینی اور بیان کی خوبی اس پر مستزاد ہے۔ عالمِ شباب میں کسی کی اتنی پختہ شاعری میں نے بہت کم دیکھی اور پڑھی ہے۔"(۹)

فارسی اور اردو غزل تصوّف کی گود میں پلی ہے۔ متصوفانہ مضامین بڑے قدیم ہیں۔ اور ان کے خمیر میں رچے بسے ہوئے ہیں صنفِ غزل میں بھی بڑی چابک دستی اور فنکاری سے صوفیانہ خیال پیش کر دیتے ہیں۔ اکثر استاد شعراء کردار اور عمل سے بڑے پاکیزہ تھے۔ میری مراد کہ اکثر شعراء صوفی باصفا تھے اردو کی جدید غزل میں مسائلِ تصوف بہ ظاہر اس قدر مقبول نہیں رہے۔ مگر تصوّف کی روایت ہمارے غزل گو شعراء کے خون میں رچی بسی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ اس روایت سے چاہے شعوری طور پر کترائیں، کہیں نہ کہیں اُنہیں ذرے میں صحرا اور قطرے میں دریا دیکھائی دے ہی جاتا ہے۔ پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانیؒ کی شاعری میں یہ فراموش کردہ روایت پوری شان سے جلوہ گر ہے۔

دو عالم کے علاوہ کوئی عالم اور ہے شاید
ان آئینوں میں وہ آئینہ گر دیکھا نہیں جاتا(۱۰)

پیر نصیر گولڑوی کی اردو غزل میں متصوفانہ کار فرمائیوں کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

دو جہاں چھوڑ، دل میں ڈھونڈ اسے
دیکھ، موجود ہو یہیں نہ کہیں(۱۱)

بے خودی میں نہ ہوئی ہم کو نصیرؔ اپنی خبر
ہوش آیا تو ہمیں جلوہ جاناں نکلے(۱۲)

ایک اور جگہ پر یہ مضمون دیکھیں:

جلوہ ذات سے جو خالی ہو
کوئی ایسا بشر نہیں ملتا(۱۳)

یہ دیکھیں:

وہ شوخ جب آیا تو پھر اس شان سے آیا
جو صاحبِ خانہ تھے، وہ مہمان نظر آئے(۱۴)

عشق میں ترکِ جستجو ہے حرام
نہ ملے ، وہ اگر نہیں ملتا(۱۵)

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ خیالات علم تصوف کے راستے سے صنفِ غزل میں داخل ہوئے ہیں۔ اور فلسفے کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس کی ترجمانی تصوف کے اثر سے کلاسیکی ادب میں نہ کی گئی ہو۔ انسان کی اصلیت ، انسانی زندگی کی حقیقت ، ذات باری کی اہمیت ، مذہب اور دین کی ضرورت، اخلاق کی حیثیت، نظام اقدار کی اہمیت، انسان کی عظمت ، اس کی خامیاں اور کمزوریاں، جبر و اختیار، فنا وبقا کی حقیقت، غرض اس طرح کے ان گنت موضوعات پر بے شمار تجربات کلاسیکی شاعروں نے پیش کیے ہیں، اور ان کو پیش کرتے ہوئے ان کا زاویہ نظر ہمیشہ متوازن رہا ہے، اُن کے اِن تجربات میں انسان کے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں اور س کے ذہن و شعور کی کیفیت کا صحیح طور پر اندازہ بھی ہوتا ہے

ڈاکٹر توصیف تبسم بدایونی پیر نصیر الدین نصیر گولڑوی کی غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

دستِ نظر" کی طرح "پیمان شب" میں شامل غزلیات کا فنی و لسانی پہلو بلاشبہ امیر مینائی اور استاد داغ کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ لطفِ زبان و بیان، لب ولہجہ کی صفائی اور لفظوں کے رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے ان ہر دو اردو مجموعوں کا یہ پہلو بھی خاص توجہ کا طالب ہے۔ بات کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو اگر کہنے والا اس کی ادائیگی میں مناسب پیرایۂ اظہار اختیار نہیں کرتا تو کسی صورت میں بھی سننے والے پر وہ اثر مرتب نہیں ہو گا، جو قائل کا مقصود ہے۔ مناسب پیرایہ سے ہماری مراد روز مرہ اور محاورہ کی صحت اور لب و لہجہ کا وہ حسن ہے جو فنی رچاؤ کے بغیر سامنے نہیں آتا۔ نظم و نثر کی اس خصوصیت کو علمائے بیان نے فصاحت و بلاغت کا نام دیا ہے۔ فصاحت سے مراد کلام کا لسانی اغلاط سے پاک ہونا ہے اور ایسا کلام جو اغلاط سے پاک ہوتا ہے، وہی بلیغ بھی ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کو سن کر سامع کسی قسم کی الجھن کا شکار نہیں ہوتا، گویا بلاغت، فصاحت کا لازمی نتیجہ یا اثر ہوتی ہے۔ نصیر صاحب شعر کہتے ہوئے صحت لفظی کا، جس میں روز مرہ اور محاورہ دونوں شامل ہیں، حد درجہ خیال رکھتے ہیں۔ ان کی غزل پڑھ کر اس بات پر حیرت ہوئی ہے کہ اردو زبان کے مسلمہ مراکز سے دور گولڑہ شریف میں رہنے والے ایک شاعر نے اہل زبان جیسی مہارت کہاں سے حاصل کر لی۔ اُن کے یہاں لطفِ روز مرہ و محاورہ کے پہلو بہ پہلو، لفظی مناسبتوں کا خیال، خاص شیرازہ بند ردیفوں کا استعمال (جو غزل میں ایک خاص ذہنی فضا کی تشکیل کرتی ہیں) کہیں کہیں بیان میں شوخی، غزل کے اس لہجہ کی تعمیر کرتی ہوئی دیکھائی دیتی ہیں، جو آج کے دور میں پیر نصیر الدین نصیر سے مخصوص ہے۔ قدرتِ کلام اِن کی غزل کا اضافی وصف ہے۔ نصیر، نامانوس قوافی کا استعمال انتہائی مہارت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس طرح کہ لطفِ بیان کہیں کم نہیں ہونے پاتا۔ یہ صورتِ حال اس ریاض و محنت کا حاصل ہے۔ (۱۶)

پیر صاحب کی غزل میں لہجہ کا حسن ملاحظہ فرمائیں:

بے وفا بھی رہے، خفا بھی رہے
آپ بھی ہیں بڑے عجب کوئی (۱۷)

اگر سنو تو تمام و کمال حال سنو
ہم ابتدا سے سنائیں گے، درمیاں سے نہیں (۱۸)

دیر سے مے کدے میں بیٹھے ہو
شیخ جی !جام بھی ملا کوئی![۱۹]

مکالماتی حسن دیکھیے:

جب کہا ہم نے کہ ہم سے یہ تکلف کیسا
نیچی نظروں سے کہا اس نے ، حیا اچھی ہے
میں یہ کہتا ہوں، مری آہِ رسا سے ڈریئے
وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تیز ہوا اچھی ہے
مسکرائے،جو نظر آئی شبیہ یوسف
میں نے پوچھا کہ یہ کیسی ہے ، کہا، اچھی ہے[۲۰]

فارسی میں مکالماتی رنگ ملاحظہ فرمایئے :

چو گفتمش ای دو دیدہ قرباں مگر ربودی توراحتِ جاں
بگفت از رہ بی نیازی درین نداریم اختیاری
بگفتمش این چہ شد کہ یکسر نماند در شورشِ حیاتم
بہ لب نوای، بہ سر ہوای، بہ سینہ آہی، بہ دل قراری
اگر چہ دامن کشیدہ از من ولی فتادم بہ پای نازش
بگفتمش،زحمت علاجی ، تبسمی کرد و گفت آری[۲۱]

سہل ممتنع علم شعر میں ایک فن ہے کہ جو کہ بڑے بڑے مشاق شعراء کو بڑی مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور نئی سے نئی ردیفیں وجود میں لانا اور انہیں غزل میں نبھانا ہر کس وناکس کے بس میں نہیں۔ ردیف کے استعمال سے غزل میں جان پیدا ہو جاتی ہے اور غنائیت ہی غزل کا اصل خاصہ ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر گولڑوی کی غزل کے بارے میں جناب احمد ندیم قاسمی کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

"بیشتر غزلوں کی زمینیں سید نصیر صاحب کی اپنی ہیں اور بعض کی ردیفیں تو ان کی ذہنی اُپج کا ایک دلچسپ ثبوت ہے پھر یہ ردیفیں غریب ہونے کے باوجود ہر شعر میں ماہرانہ اور فن کارانہ سلیقے سے کھپی ہوئی ہیں۔ سید نصیرؒ اس لحاظ سے بھی داد و ستائش کے مستحق ہیں کہ فارسی شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے فارسی پر اپنی

دسترس کو اپنی اردو غزلوں کے شاید کسی شعر پر مسلط ہونے دیا ہو۔ جبکہ ابتدا میں مرزا غالب تک اس کمزوری کی زد میں آگئے تھے۔اس لیے ان کی غزلوں کی سلاست اور ساتھ ہی بلاغت میرے نزدیک حیرت انگیز بھی ہے اور مسرت بخش بھی۔"(۲۲)

درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

بہت کچھ ہم نے دیکھا، دیکھنے کو
رہا دنیا میں اب کیا دیکھنے کو
نکل آئے فلک پر چاند سورج
ترا نقشِ کف پا دیکھنے کو
دمِ آخر کروں گا راز افشا
مجھے آپ آئیں تنہا دیکھنے کو
ترا ثانی سنا ہم نے ، نہ دیکھا
زمانہ ہم نے دیکھا دیکھنے کو
نصیر اُن کی گلی میں کیوں گئے تھے
یہی، اپنا تماشا دیکھنے کو(۲۳)

پیر سید نصیر گولڑویؒ کی غزل میں استاد داغ دہلوی کی طرح کا استادانہ رنگ اور ایک جیسی ردیف کو نبھانے کی فنکارانہ روشن ملاحظہ ہو:

مٹ گئے عشق میں گھر سینکڑوں ویراں ہو کر
پھر گئی آنکھ تری گردش دوراں ہو کر
دردِ سر ہونے لگا سن کے زیادہ تعریف
اُٹھ گئے آج وہ محفل سے پریشاں ہو کر
دیکھنے والے ہی سو عیب لگا دیتے ہیں
کوئی جو چاہے کرے آنکھ سے پنہاں ہو کر
تجھ کو معلوم بھی ہے رات کو در پر ترے
نالے کرتا ہے کوئی روز غزلخواں ہو کر
داغؔ تو کعبے سے جاتا ہے جو بت خانے کو

شرم آتی نہیں کمبخت مسلماں ہو کر

پیر نصیر الدین نصیر کے غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نہ وہ محفل، نہ وہ ساقی، نہ وہ ساغر ، نہ وہ بادہ
ہماری زندگی اب رہ گئی ہے بے مزا ہو کر
بہر صورت وہ دل والوں سے دل کو چھین لیتے ہیں
مچل کر، مسکرا کر، روٹھ کر، تن کر خفا ہو کر
نہ چھوڑو ساتھ میرا ہجر کی شب ڈوبتے تارو!
نہ پھیرو مجھ سے یوں آنکھیں، مرے غم آشنا ہو کر
مرے دل نے حسینوں میں مزے لوٹے محبت کے
کبھی اِس پر فدا ہو کر، کبھی اُس پر فدا ہر کر
سنبھالیں اپنے دل کو ہم کہ روئیں اپنی قسمت کو
چلے ہیں اے نصیرؔ زاد ! وہ ہم سے خفا ہو کر (۲۵)

سیّد نصیر الدین گیلانی گولڑوی علیہ الرحمہ کے اشعار حقایق و معارف سے پُر ہیں۔ اُن کے کلام میں خدا شناسی کے مضامین بھی ہیں اور خود شناسی اور عالم شناسی کے بھی، سیّد نصیر گیلانی کے مجموعہ "پیمانِ شب" جو کہ غزلیات پر مشتمل ہے اس کو ناقدین فن و سخن نے سراہا اور برملا کہا ہے کہ غزلیات نصیر کا رنگ استاد داغؔ جیسا ہے۔ کیوں کہ نصیر غزل کی کلاسیکی روایتوں سے واقف تھے، اسی لیے دہلی کے محاوروں اور تراکیب سے بھی اجنبیت نہیں تھی۔ نصیر گیلانی کی غزلیات میں داغ دہلوی کی تقلید میں سخن کی روایتی علامات جام و سبو، پیمانہ و مے خانہ اور رند و ساقی موجود ہیں۔ محبوب کی دلبری، ناز و انداز اور بے اعتنائی بھی خاص موضوع ہے۔ الغرض نصیر گیلانی کی غزل میں اساتذۂ سخن کا کلاسیکل رنگ نمایاں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نصیر گولڑوی، پیر نصیر الدینؒ، (من آنم کہ من دانم) پیمان شب، اسلام آباد، گیلانی پبلشرز گولڑہ شریف، ۱۹۸۳ء، ص۱۷

۲۔ بیدل دہلوی، مرزا عبد القادر، دیوان بیدل دہلوی (ج۔۱) تہران (ایران)، مؤسسۂ انتشارات نگاہ، ۱۳۳۳ق، ص۶۷۰

۳۔ نصیر گولڑوی، پیر نصیر الدینؒ، (من آنم کہ من دانم) پیمان شب، اسلام آباد، گیلانی پبلشرز گولڑہ شریف، ۱۹۸۳ء، ص۱۸

۴۔ امجد حیدر آبادی، رباعیاتِ امجد، کراچی، بہادر یار جنگ اکادمی، ۱۹۹۶ء، ص۱۰۹

۵۔ نصیر گولڑوی، پیر نصیر الدین گیلانیؒ، پیمان شب، اسلام آباد، گیلانی پبلشرز گولڑہ شریف، ص۷۹

۶۔ ایضاً، ص۲۹۴

۷۔ ایضاً، ص۲۶

۸۔ داغ دہلوی، کلیات داغ (آفتاب داغ)، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص۵۳۰

۹۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر، ۱۹۸۳ء، غزلیات نصیر گولڑوی (پیمان شب)، گیلانی پبلشرز، گولڑہ شریف، اسلام آباد، ص۴۰

۱۰۔ نصیر گولڑوی، پیر نصیر الدین ، پیمان شب، اسلام آباد، گیلانی پبلشرز، گولڑہ شریف، ۱۹۸۳ء، ص۳۵۷

۱۱۔ ایضاً، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، ۲۰۰۰، ص۱۵۸

۱۲۔ ایضاً، ص۱۸۱

۱۳۔ ایضا، ص۱۸۸

۱۴۔ ایضاً، ص۲۰۲

۱۵۔ ایضاً، ص۱۸۸

۱۶۔ توصیف تبسم، ڈاکٹر، نظر بر دستِ نظر (دست نظر)، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، ۲۰۰۰، صxvi

۱۷۔ نصیر گولڑوی، پیر نصیر الدینؒ، دست نظر، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، ۲۰۰۰ء، ص۳۱

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۳

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۲۱۔ ایضاً، ص عرش ناز، ص ۳۰

۲۲۔ قاسمی، احمد ندیم، پیمان شب کا ایک تاثر (پیمان شب) اسلام آباد، گیلانی پبلشرز گولڑہ شریف، ۱۹۸۳ء، ص ۳۷

۲۳۔ نصیر گولڑوی، پیر نصیر الدین، پیمان شب، اسلام آباد مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، ۲۰۰۰ء، ص ۱۹۱

۲۴۔ داغ دہلوی، کلیات داغ (آفتاب داغ)، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۴۹۰۔۴۹۱

۲۵۔ نصیر گولڑوی، پیر نصیر الدین، پیمان شب، اسلام آباد، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف، ۲۰۰۰ء، ص ۹۳۔۹۴